بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظرات

ایک معمولی بات بھی خواہ کتنی ہی بدیہی ہو جب موضوع فکر و نظر بنتی ہے تو نظری بن جاتی ہے یہی حال آج کل لفظِ قومیت کا ہے۔ بعض اسلامی حلقوں میں اس لفظ کی تشریح و توضیح اور اس کی تعریف و تفصیل میں ابھی پچھلے دنوں اس درجہ اقدام کیا گیا ہے کہ ایک سادہ حقیقت بھی عقدۂ لاینحل نظر آنے لگی ہے ہندوستان کے پانچ مختلف المذہب لوگوں کو اگر ایک جگہ جمع کر کے پوچھا جائے کہ یہ کون ہیں؟ تو چونکہ پوچھنے والے کو یہ پہلے سے معلوم ہے کہ ان پانچوں میں سے ہر ایک کا مذہب الگ الگ ہے اس بنا پر اس کے سوال کا مطلب لازمی طور پر یہ ہوگا کہ جواب میں کوئی ایسی چیز کہی جائے جو اُن پانچوں میں مشترک ہو۔ اس صورت میں مذکورہ بالا سوال کا صحیح جواب ہوگا "ہندوستانی" اس جواب کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ پانچوں آدمی اختلافِ مذہب کے باوجود ایک ہی ملک کے باشندے اور ایک ہی حکومت میں آباد ہیں۔ اب ایک شخص کہتا ہے کہ وطن اور حکومت کا یہ اشتراک ہی قومیت ہے۔ جس کو انگریزی میں نیشنلٹی کہتے ہیں اور ان سب لوگوں کو نیشن اور قوم کہتے ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ کیونکر ہوا کہ لفظ نیشن یا قوم کا اطلاق جن لوگوں پر ہوتا ہے وہ تہذیب۔ کلچر۔ مذہب اور زبان ان سب وجوہ سے بھی ایک ہی ہوتے ہیں۔ دنیا میں کسی مقام پر دو آدمی بھی ایسے نہیں ہیں جو ہر حیثیت سے ایک دوسرے کے شریک اور اسی جیسے ہوں۔ لامحالہ ان میں کچھ باتیں مابہ الاشتراک ہوں گی اور کچھ باتیں مابہ الاختلاف۔ ہر دو انسانوں کی طرح دنیا کے سب انسانوں کو بھی ایسا ہی سمجھنا چاہیے۔ مابہ الاشتراک اور مابہ الاختلاف دونوں اپنی اپنی جگہ مستقل حقیقتیں ہیں ایک کے اثبات سے دوسرے کی نفی ہرگز لازم نہیں آتی۔ البتہ ہاں منطق کے مسلمہ اصول لامشاحۃ فی الاصطلاح کے مطابق عنوان اور نام میں فرق ہو سکتا ہے۔

جہاں تک لفظِ قوم کے اطلاق کا تعلق ہے تو قرآن و حدیث سے اور تاریخ و ادب کی کتابوں میں عام استعمالات سے یہ بات ثابت ہے کہ اس لفظ کے معنی و مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔ اس کا اطلاق کبھی

ایک ہی مذہب کے لوگوں پر ہوتا ہے اور کبھی ایک ہی ملک یا ایک ہی نسل یا ایک ہی زبان کے مختلف المذہب لوگوں پر ہوتا ہے۔ منطق کی زبان میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ لفظ کبھی بہ طور جنس بولا جاتا ہے اور کبھی بہ طور فصل اور کبھی بہ طور نوع۔ لیکن بہرحال یہ یقینی ہے کہ جو لوگ ہندوستان کے مسلمانوں اور غیر مسلموں ان سب کو ایک قوم کہتے ہیں ان کی مراد یہ ہرگز نہیں ہے کہ ان میں باہم مذہب۔ زبان۔ اور کلچر کا کوئی فرق نہیں ہے۔ مسلم اور غیر مسلم تو الگ رہے خود مسلمان مسلمان اور غیر مسلم غیر مسلم تک میں باہم زبان اور کلچر کا فرق ہے۔ پنجاب کے ایک ہندو کو جنوبی ہند کے ایک ہندو کے ساتھ کھڑا کر کے دیکھئے۔ دونوں میں کتنا فرق نظر آئے گا۔ اس بنا پر یہ کہنا کہ چونکہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں مذہب اور اس کے عوامل و مقتضیات کا فرق ہے اس لئے وہ ایک قوم نہیں بن سکتے سرتاسر غلط اور ایک فریبِ محض ہے۔ اس کو آج کی دنیا کا نہ کوئی نظام تسلیم کرسکتا ہے اور نہ کوئی دستور۔ اور خود ہمارے ملک کے دستور کا باشندگانِ ملک کی مذہبی اور تہذیبی آزادی کو تسلیم کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ قومیت کے معنی اتحادِ کلچر اور اتحادِ تہذیب و تمدن کے ہرگز نہیں ہیں اور دستورِ ملکی خود تہذیب و تمدن اور کلچر کے اختلاف کو تسلیم کرتا ہے۔

اصل معاملہ کو اس حیثیت سے دیکھئے تو صاف نظر آئے گا کہ متحدہ قومیت کو جو لوگ تسلیم کرتے ہیں اور جو اس کے منکر ہیں ان میں کوئی حقیقی نزاع نہیں ہے۔ کیونکہ اول گروہ جس مابہ الاشتراک کا قائل ہے یعنی وطنیت اور اس کے حقوق و واجبات۔ دوسرا گروہ اُس کا منکر نہیں اسی طرح دوسرا گروہ جس چیز کا منکر ہے یعنی اتحاد کلچر۔ اتحاد تہذیب و ثقافت تو پہلا گروہ اس کا قائل نہیں اب نزاع جو کچھ بھی ہے وہ صرف اس بات میں ہے کہ مشترکہ وطنیت کو قومیت کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟ تو ظاہر ہے تنقیحِ مذکور کی روشنی میں یہ نزاع محض لفظی ہوگا نہ کہ حقیقی۔ لیکن افسوس ہے کہ ہمارے بعض دوستوں کی سمجھ میں اتنی ذرا سی بات بھی نہیں آتی۔ چنانچہ معزز معاصر زندگی کے لائق مدیر لکھتے ہیں "یہ بات صحیح نہیں کہ چند چیزوں میں اشتراک قومیت کے لئے کافی ہے۔ اصل چیز اشتراک نہیں داخلی وحدت ہے۔ جب تک یہ موجود نہ ہو قومیت موجود نہیں ہوسکتی" سوال یہ ہے کہ یہ "داخلی وحدت" ہے کہاں؟ جماعت اسلامی کے ارکان اور علمائے دیوبند و بریلی میں ہے؟ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اور شہید سہروردی صاحب میں ہے؟ اگر نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو قومیت کا وجود صرف

ذہنی ہوا نہ کہ خارجی اس میں شک نہیں کہ مذہب کا رشتہ وطن کے رشتہ سے قوی تر ہے۔ لیکن اس میں بھی کوئی کلام نہیں ہو سکتا کہ داخلی اور خارجی کی تفریق سے قطع نظر وطن بھی مذہب کی طرح ایک مستقل وحدت ہے۔ اور اس لئے جس طرح وطن مذہب کے مقابلہ میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کر سکتا۔ اسی طرح مذہب کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ وہ وطن کی انفرادیت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دے۔ مثلاً یوں سمجھیے کہ بہن بھائی کا رشتہ۔ میاں بیوی کے رشتہ سے قوی تر ہے لیکن دونوں رشتوں کی اپنی اپنی جگہ مستقل حیثیت ہے اور اس بنا پر ایک کو دوسرے کے معاملات میں مداخلت بیجا کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ چنانچہ اگر کسی ملک کے مسلمان ہندوستان پر حملہ آور ہوں تو از روئے قرآن و فقہ ہندوستان کے مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ وہ ہم وطنوں کے ساتھ مل کر حملہ آوروں کا مقابلہ کریں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ حکم اُسی وقت ہے جبکہ ملک کی اکثریت کا معاملہ مسلمانوں کے ساتھ روادارانہ اور منصفانہ ہو جس کی وجہ سے مسلمان وطن کو سچ مچ اپنا وطن سمجھیں اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو اور مسلمانوں کا مذہب اور ان کی عزت محفوظ نہ ہو تو اب اس صورت میں مسلمانوں کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اس ملک کو وطن ماننے اور اس کے حقوق شہریت کے قبول کرنے سے انکار کر دیں اس کے بعد وہ آزاد ہیں جو چاہیں کریں۔ لیکن جب تک وہ حقوق شہریت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اس وقت تک وطن کی حفاظت اُن کا فرض ہے۔ اس بنا پر صرف یہ کہہ دینا کہ "ہاں وطن اور اہل وطن کے بھی حقوق ہیں" کافی نہیں ہے۔ اسلام میں حقوق تو دشمنوں اور جانوروں کے بھی ہیں۔ وطن ایک مستقل وحدت ہے۔ حقوق کا نام لے کر اس کی اہمیت کو کم نہیں کیا جا سکتا۔ فاضل مدیر زندگی نے صفحہ گیارہ کے حاشیہ میں بزعم خود متحدہ قومیت کے مظاہر کی نسبت جو کچھ لکھا ہے اُس کا جواب یہ ہے کہ ان چیزوں کا قومیت سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اس قسم کی باتیں اکثریت کا ذاتی فعل ہے جس سے مسلمانوں کو صاف لفظوں میں برات ظاہر کرنی چاہیے مزید براں گذارش یہ ہے کہ ہندوستان ہی کا کیا ذکر؟ رقص و سرود۔ اور مغربی تہذیب و تمدن کے معاملہ میں پاکستان۔ مصر۔ اور ایران کا کیا حال ہے؟ اور کس طرح ان ملکوں کی حکومتیں ان اسلام کُش اعمال و افعال کی سرپرستی کرتی ہیں؟ تو کیا ان سب چیزوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان ملکوں کے مسلمان متحدہ قومیت سے محروم ہو جائیں؟